(فرمودہ ۲۶ اگست ۱۹۲۰ء بمقام ڈلہوزی)

یہ عید قربانی کی عید کہلاتی ہے کیونکہ ایک عظیم الشان قربانی کی یاد میں قائم کی گئی ہے لوگ بحث کرتے ہیں کہ یہ قربانی حضرت اسحٰقؑ کی تھی یا حضرت اسمٰعیلؑ کی۔لیکن اصل بات یہی ہے ، کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی اس قربانی میں پیش کئے گئے تھے۔[1]

تورات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ اپنا اکلوتا بیٹا قربانی میں پیش کریں۔"اس نے کہا (اللہ تعالیٰ نے) تو اپنے بیٹے ہاں اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے۔اضحاق کو لے اور زمین موریاہ میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔"[2] مگر چونکہ حضرت اسحٰقؑ حضرت اسمٰعیلؑ سے چھوٹے تھے۔اس وجہ سے اکلوتے بیٹے کے لفظ کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا تھا۔لیکن بڑے بیٹے پر اکلوتے کا لفظ عائد ہو سکتا ہے کیونکہ جب تک حضرت اسحٰق پیدا نہیں ہوئے تھے حضرت اسمٰعیلؑ ہی اکلوتے تھے۔

یہود کو یا تو دھوکا لگا ہے یا انہوں نے عمدًا حق پوشی کر کے لوگوں کو دھوکا دیا ہے اور اس خواب میں اضحاق کا لفظ بڑھا دیا ہے تاکہ قربانی کے فوائد اور وعدوں کا وارث اپنی قوم کو ثابت کر کے حق اپنی طرف منسوب کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہیں[3]۔یہ ایک خواب تھی جس کی تعبیر تھی اور یہ ظاہر اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا تھا۔اور یہ رؤیا کچھ معنی رکھتی تھی مگر چونکہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون نازل نہ ہوا تھا کہ رؤیا پر کیونکر عمل کیا جائے اور خواب کی حقیقت اور معانی سمجھ کر کیونکر اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رؤیا کو اپنے ظاہر پر محمول کیا اور واقعہ میں اپنے جگر گوشہ کو خدا کے حکم کے ماتحت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو جن کی رضا بھی اس میں شامل تھی۔زمین پر لٹا دیا۔مگر اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اپنی طرف سے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان ہی کر چکے تھے۔اس رؤیا کی حقیقت بتائی اور اس خواب کو ظاہری طور پر پورا کرنے کے لئے حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں ایک بکرا قربان کیا جائے۔[4]

دراصل یہ رؤیا ایک بنیاد تھی جس کا دامن قیامت تک کے لئے وسیع تھا اور اس رؤیا کے دونوں پہلو تھے منذر بھی اور مبشر بھی۔ اللہ تعالےٰ نے بتایا کہ رؤیا کے منذر حصہ کی تکالیف اور دکھ سے بچنے کے لئے بکرے کی قربانی ادا کرو۔

چنانچہ اسی ابراہیمی سنت کے ماتحت مسلمانوں کو بھی قربانی کا حکم ہے۔ اور اس پر مسلمان ہمیشہ سے عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر چونکہ اس رؤیا کے دونوں پہلو میں منذر بھی اور مبشر بھی اسی وجہ سے اس قربانی اور صدقہ میں فرق ہے۔ صدقہ کی قربانی کا گوشت انسان کو خود کھانا جائز نہیں[۵] مگر اس قربانی کا گوشت انسان خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اپنے دوستوں اور غرباء و مساکین میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔[۶]

دراصل یہ رؤیا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہجرت کی پیشگوئی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبل از وقت اشارۃً بتائی گئی کہ اپنے ننھے بچے کو ایک ایسے بے آب و دانہ جنگل میں جہاں سینکڑوں میل تک نہ پانی نہ کھانے کا سامان کچھ بھی میسر نہ ہوگا، وہاں چھوڑنا پڑے گا۔ جو دراصل ان حالات کے ماتحت ذبح کرنے سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ اور یہی وہ قربانی تھی جس کی طرف رؤیا میں اشارہ تھا۔ ورنہ یہ خیال کہ بچے کو ذبح کردو اور پھر بس۔ اس کے بعد اس کا کوئی نتیجہ نہیں، یہ تو ایک تمسخر بن جاتا ہے جو اللہ تعالےٰ اور انبیاء کی شان سے بعید ہے گو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہی سمجھا جس کے مطابق اپنے اخلاص اور علم کی بناء پر عمل درآمد کیا مگر دراصل منشاء الٰہی وہی تھا جو واقعات سے ثابت ہوا۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت گیارہ یا بارہ برس کی ہے حکم ہوتا ہے کہ اس کو لق و دق جنگل میں چھوڑ آؤ۔ جہاں سینکڑوں میل تک پانی ہے نہ دانہ۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تھیلے میں تھوڑی کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں کچھ پانی لیا۔ اور حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو لے کر ایک جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہ پوچھتی ہیں کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں کدھرلے جاتے ہیں۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا اور جنگل کی طرف چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ بار بار پوچھتی تھیں مگر کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ حتیٰ کہ اس خاص مقام پر پہنچے جہاں مکہ مکرمہ تھا۔ اور جس جگہ ان کو پہنچانے کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا۔ وہاں پہنچکر کھجور کا تھیلہ اور پانی کا مشکیزہ ماں بچے کے پاس رکھکر آپ واپس روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہؑ نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو اس جنگل میں یکہ و تنہا چھوڑ کر خود واپس جارہے ہیں تو وہ ان کے پیچھے ہولیں اور عرض کیا کہ ہمیں اس جنگل میں چھوڑ کر آپ کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر

کوئی جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو نہ دیا اور چپکے چلتے گئے۔ حضرت ہاجرہ نے پھر عرض کیا دوبارہ سہ بارہ پوچھا کہ حضور ہمیں اس بے گیاہ، بے آب و دانہ خوفناک اور بھیانک جنگل میں جہاں نہ انسان ہے اور نہ کوئی مونس و غمخوار، تنہائی اور جُدائی ڈراتی ہیں، ایسے لق و دق سنسان بیابان میں بے سروسامان چھوڑ کر کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کہ کیا اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور کیا آپ اللہ کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑتے ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا جواب دیا نعم (ہاں)۔

حضرت ہاجرہ کا ایمان بھی کیسا کامل ایمان ہے اور کس پایہ کی مطیع اور متوکلہ عورت ہیں کہ جب اللہ کا نام آیا، دل قوی ہوگیا۔ تمام خطرے جاتے رہے۔ ساری تنہائی اور بے سروسامانی بھول گئی۔ نہایت انشراحِ صدر اور کمال اطمینان سے کہتی ہیں۔ اِذَنْ لَّا یُضَیِّعُنَا۔ یہ کہکر حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے اپنے لختِ جگر، نورِ بصر کی طرف لوٹ آتی ہیں اور رضاءِ الٰہی پر شاکر اور اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے صابر ہیں۔

ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب راستہ کے موڑ پر پہنچے اور دیکھا کہ آپ اب ان کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ منہ قبلہ کی طرف پھیر لیا اور کھڑے ہو کر اپنی پیاری بیوی اور عزیز بچے کو اللہ کے سپرد کرتے اور دعا کرتے ہیں رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ۔ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔ اس دعا کے بعد گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام مطمئن ہوگئے اور ان کو اللہ کے وعدوں پر کامل یقین اور پورا بھروسہ تھا کہ وہ ان کو ضائع نہ ہونے دے گا۔ اور ایسا بڑھائے گا کہ دنیا کی ریت کے ذرات کا گنا جانا ممکن مگر یہ کبھی نہ گنے جاسکیں گے۔ دُعا بھی کیسی کامل دُعا کی ہے کہ ان کی روحانی جسمانی ضروریات کو مدِ نظر رکھکر جامع دعا کی ہے۔

حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بچے کے پاس تھوڑی سی کھجور اور تھوڑا پانی تھا۔ جلدی ختم ہوگیا۔ بچے بھوک پیاس کی زیادہ برداشت نہیں کرسکتے۔ پیاس سے تنگ آکر حضرت اسمٰعیلؑ نے رونا اور چلانا شروع کیا۔ ماں کی ماتما مشہور ہے ان کے بیتاب اور لوٹ پوٹ ہونے کو دیکھ نہ سکیں اور ادھر اُدھر پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں۔ ایک طرف صفا کی پہاڑی اور دوسری جانب مروہ کی بلندیاں تھیں۔ اُدھر سے اِدھر اور اِدھر سے اُدھر سات مرتبہ دوڑی تھیں کہ کہیں کوئی پانی کا نشان مل جائے۔ گھبراہٹ میں تھیں، بچہ جاں بلب تھا۔ اس درد کا کون اندازہ کرسکتا ہے آخر ایک آواز

کان میں آئی جو محض آواز ہی تھی۔ سننے کے لئے کان لگائے۔ پھر آواز آئی اس کو امداد کے لئے پکارا۔ مگر وہ فرشتہ تھا جس نے اپنے پاؤں کی ایڑی سے یا اپنے پر سے ایک پتھر کو ٹھوکر لگائی۔ اور وہاں سے چشمۂ صافی رواں ہوگیا۔ جس سے اپنے بچے کو پلایا اور خود بھی پیا۔ وہی چشمہ اب دنیا میں زمزم کے نام سے موسوم ہے[۹]

صفا اور مروہ کی سعی ایام حج میں اسی عظیم الشان قربانی کی یاد میں قائم ہوئی ہے[۱۰]۔ یہ قربانی کیا پھل لائی اور کیسی بار آور ہوئی۔ دنیا جانتی ہے۔

یہ قربانی تھی جسکی طرف اشارہ تھا اور یہی وہ قربانی ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو بھی کرنا تھی پہلی کتابوں میں یونہی لکھا تھا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کے خلاف تمام دنیا کا ہاتھ اٹھے گا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ہاتھ تمام دنیا کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ پیدائش باب ۱۶ میں[۱۱] یوں بیان ہوا ہے۔

"اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے۔ اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔"

اور جس کا یہ حال ہو کہ تمام دنیا اس کے خلاف جمع ہوجائے اسے قربانی بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آپ کے حقیقی وارث حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی سب سے بڑی قربانی کرنی پڑی چنانچہ اسی مقام پر جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ہجرت کرنی پڑی تھی۔ اسی مقام[۱۲] پر آپ کا دانہ اور پانی روک دیا گیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تو ایسے وقت میں وہاں پہنچائے گئے تھے کہ وہاں دانہ پانی تھا نہیں مگر یہاں یہ حالت ہے کہ دانہ اور پانی تو موجود ہے مگر پہرہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ ان کو نہ دانہ پہنچے اور نہ پانی۔ اور متواتر چھ[۱۳] سال تک یہی حالت رہتی ہے حتیٰ کہ فاقوں کی وجہ سے لوگوں کے چہرے پہچاننے مشکل ہوگئے اور پھر یہ وہی قربانی کے ایام ہیں جن میں آپ کی نہایت پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا انہی مشکلات مصائب اور مشقتوں میں فوت ہوئیں[۱۴]۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے واسطے تو وہ مشکل چند روزہ تھی۔ مگر یہاں متواتر چھ سال کا عرصہ انہی مشکلات میں بسر کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ بڑی قربانی آپ کو اس لئے کرنی پڑی کہ آپ ہی وہ نبی تھے کہ جن کا ہاتھ تمام دنیا کے خلاف اور جن کے خلاف تمام جہان کھڑا ہونے والا تھا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ ان الفاظِ تورات سے مراد ڈاکو ہیں[۱۵]۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ ڈاکو بھی بھلا کوئی حیثیت رکھتے ہیں جن کے خلاف تمام دنیا اور سارے جہان کو جمع ہونے کی ضرورت پیش آوے بڑے بڑے ڈاکو دنیا میں پیدا ہوئے اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ آخر ان کا کیا انجام ہوا۔ تھوڑے

ہی دلوں میں باندھکر ان کو سزائیں مل گئیں مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اس کی اولاد کی نسبت تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ باوجود سب دنیا کی مخالفت کے وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا یعنی ان کی مخالفت ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

در اصل یہ ایک بہت بڑے انقلاب اور عظیم الشان تغیرات کی طرف اشارہ تھا جو ہمیشہ ہمیش کے لئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور انکی اولاد کے خلاف دنیا میں بپا ہونے والا تھا اور جسے اب دنیا آج دن مشاہدہ کر رہی ہے جس دن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ کے پاک اور متبرک مقام پر کھڑا کیا گیا تھا اسی دن سے دُنیا میں اس عظیم الشان تغیر کی بنیاد رکھی گئی تھی آپ کو نہ مٹنے اور نہ بدلنے والے مقام پر کھڑا کیا گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ دنیا کو اس کی اور اس کی اولاد کی طرف سے کھا جانیوالا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بدلتی رہنے والی چیز اور مٹ جانیوالی ہستی کا لوگوں کو زیادہ خوف نہیں ہوتا۔ اصل خوف اور زیادہ ڈر اسی چیز کا ہوتا ہے جس کے متعلق خیال ہو کہ یہ نہ بدلے گی اور نہ مٹے گی۔ کیونکہ بدلنے اور مٹ جانے والی چیز کے متعلق وہ دلوں کو تسلی دے لیتے ہیں کہ چند روز بعد بدل جائے گی یا مٹ جائے گی مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو جس مقام پر کھڑا کیا گیا تھا اس کے متعلق وعدہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیش قائم رہے گا نہ مٹے گا اور نہ بدلے گا۔ اور یہی امر دنیا کی زیادہ مخالفت کا باعث ہوا۔ غرض یہ رؤیا اس قربانی پر دلالت کرتی تھی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو صداقت اور حق کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام دنیا کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مذہب دیا گیا وہ اس حقیقت کا پورا ثبوت اور بیّن دلیل ہے۔

اسلام کا اصل الاصول قربانی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیلؑ کو قربان کر کے آئندہ نسلوں کے لئے ترقیات اور وصول الی اللہ کی سنت قائم کر دی اور کمال فرمانبرداری کا نمونہ دکھا کر اپنا مذہب کھول کر بتا دیا ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جب تک خدا کے لئے اپنے اوپر ایک موت وارد نہیں کرتا اور اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے ہر قسم کی ذلت اور رسوائی کو اپنے اوپر لینے کے لئے تیار نہیں ہو جاتا اور مشکلات اور مصائب کے خاردار کوہ و دشت میں نہیں پھینکا جاتا۔ اور دنیا سے بالکل منقطع ہو کر کاٹا نہیں جاتا اس وقت تک قبول بھی نہیں کیا جاتا۔

ابراہیمی سُنّت اور اسمٰعیلی ایثار و فرمانبرداری کا رنگ جب تک انسان اپنے اندر پیدا نہیں کرتا (جس کا کامل نمونہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّی زندگی میں کمال صبر اور کمال استقلال سے دکھا کر حقیقی قربانی کی مثال ہمیشہ ہمیش کے واسطے بطور نمونہ اور اسوۂ حسنہ

قائم کر دی۔ اور جو بعد کو مدنی زندگی کے زمانہ میں رنگ لائی، بارآور ہوئی اور اس قربانی کی قبولیت کا ثبوت اور منظوری کی شہادت اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے دی) اس وقت تک انسان کو خدا تعالےٰ کے حضور نہ قبولیت کا شرف بخشا جاتا ہے اور نہ ہی وہ منظور نظر ہو سکتا ہے۔

مگر لوگ بالعموم قربانی کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ مَیں دیکھتا ہوں طبائع میں عام طور پر کامل فرمانبرداری اور اطاعت کا مادہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ نفس کا مارنا اور خدا تعالےٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی تمام خواہشات اور امنگوں کو قربان کر کے گردن ڈال دینا، اپنا آپ بھلا کر تمام تر خدا کے لئے ہو جانا اور اِباء و استکبار کو ترک کر دینا نہایت ہی مشکل اور موت سے بھی سخت تر ہے۔

بہت ہیں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے پابند ہوں گے مالوں کی قربانی میں دلیری اور حوصلے سے کام لیں گے۔ نفسانی خواہشات کو قربان کر کے ایثار کا ثبوت دیں گے۔ بدنی اور جسمانی خدمات کے لئے کمر بستہ ہوں گے اپنے اوقات گرامی کی قربانی کے لئے آمادہ نظر آئیں گے مگر تعمیل فرمانبرداری اور ترکِ اِباء و استکبار کے امتحان میں کچے نکلیں گے اور پیچھے رہ جائیں گے کیونکہ وہ اعمال تو ایسے ہیں کہ کرتے کرتے ان کی عادت پختہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ انسان کے ایسے عادت ثانی ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کا ترک کرنا انسان کے واسطے مشکل ہو جاتا ہے۔

مگر فرمانبرداری اس بات کا نام ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی روح اور اس کے قلب میں ایک ایسا احساس پیدا ہو جائے کہ وہ ان تمام احکام کی فرمانبرداری اور تعمیل کے لئے ایسا کمر بستہ ہو جائے کہ جب جب بھی کوئی حکم اللہ تعالےٰ کی طرف سے، اس کے رسولوں اور انبیاء کی طرف سے یا اُن کے نواب اور خُلفاء کی طرف سے صادر ہو۔ سو یہ اس کے ماننے اور فرمانبرداری کے لئے اپنے دل میں کوئی خلش نہ پائے۔ اور تعمیل کے لئے بالکل تیار ہو۔ اِباء و استکبار اور نافرمانی کا خیال و وہم تک بھی اس کے قلب میں نہ گذرے۔ پس انسان ہزار نمازیں پڑھے، صدقات دے اور ظاہری قربانیاں ادا کرے مگر جب تک وہ قلب سلیم نہیں جس میں یہ یقینی عزم ہو کہ خدا تعالےٰ کا مقابلہ نہیں کرنا، اِباء و استکبار نہیں کرنا اور خدا کے لئے ہر موت اپنے اوپر وارد کرنا منظور ہے تب تک کچھ بھی نہیں۔

ایک شخص تھوڑی نمازیں پڑھنے والا اور کم تسبیح و تحمید کرنے والا اور ظاہری احکام کی پابندی میں بظاہر دوسروں سے کم ہے۔ مگر اس کے اندر وہ سعید روح موجود ہے اور دل میں سچا جوش اور تڑپ ہے کہ جب بھی کوئی حکم خدا تعالےٰ کی طرف سے اسے ملتا ہے وہ اس کی تعمیل و فرمانبرداری کے لئے حتی الوسع تیار ہوتا ہے اور اِباء و استکبار نہیں کرتا بلکہ خوش ہوتا ہے اور اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے کہ اسے بھی کسی حکم کی تعمیل کا موقع و توفیق ملی اور شکر کرتا ہے۔ کہ وہ بھی اس قابل ہوا

کہ اسے کوئی موقع خدمت کا دیا گیا، ہزار درجہ بہتر اور لاکھ درجہ افضل ہے اس انسان سے جو سارا دن نمازوں اور تسبیح وتحمید میں گذار دیتا ہے۔ اور سارے مال کو اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتا ہے مگر ابھی اس کے اندر وہ مادہ پیدا نہیں ہوا جس کے ذریعہ سے وہ ہر ایک حکم کے لئے اپنے آپ کو بشرح صدر تیار پاتا ہے یا اس کا نفس بعض احکام پر برا مانتا اور ان کی اطاعت میں اپنی حق تلفی سمجھ لیتا ہے۔ درحقیقت وہ مسلم نہیں، اس کے نفس نے اس کو دھوکا دے رکھا ہے۔ اور اس میں وہ رگ باقی ہے جس کی وجہ سے ابلیس راندۂ درگاہ ہوا۔

قربانی کے معنے ہیں کہ انسان ایک مُردہ کی طرح ہو جائے جو بدست زندہ ہو وہ اسے جدھر چاہے پھیر دے اور جہاں چاہے رکھ دے۔ نہ کوئی اس کی خواہش ہو اور نہ اس کا اپنا کوئی جذبہ ہو۔ وہ اپنے ارادے اور نیت کو بالکل کھو چکا ہو۔ ایسا مُردہ انسان بلکہ بے حس وحرکت پتھر بھی لاکھ درجہ بہتر ہے اس انسان سے جو اپنے ظاہری اعمال سے اپنے اسلام و فرمانبرداری کا دعویٰ کرے مگر امتحان کے وقت جھوٹا ثابت ہو اور اباء و استکبار کرے۔

کہتے ہیں کہ ابلیس بڑا عابد و زاہد تھا۔ یہ مان لیا کوئی بعید از قیاس بات نہیں بلکہ قرین قیاس ہے کیونکہ ہمیشہ انبیاء و صادقین کی آمد سے پہلے بھی ایک ایسا گروہ موجود ہوتا ہے جو مدعی اسلام و فرمانبرداری ہوتا ہے۔ دور کی بات نہیں ہمارے اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سب سے بڑے دشمن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہی کی نسبت ہم نے تحقیقات کرائی ہے۔ وہ شریعت کے ظاہری احکام کا بڑا پابند تھا تہجد گزار تھا اور سوائے خاص مجبوری کے تہجد ترک نہ کرتا تھا۔ انبیاء و راستبازوں کی آمد سے پہلے ایک گروہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے۔ اور ایک گروہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے جیسے مولوی ثناء اللہ صاحب۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت سے پہلے بھی ایک شخص زید نامی مشہور زاہد تھا اور وہ شرک کے خلاف وعظ بھی کیا کرتا تھا اور ایسی غیرت کا اظہار کیا کرتا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھانے کے لئے بلوایا تو اس نے جواب دیا کہ مَیں تمہارا کھانا نہیں کھا سکتا کیونکہ تم لوگ مشرک ہو (نعوذباللہ) مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یقین دلایا کہ ہم لوگ ہرگز مشرک نہیں ہیں۔ مگر آخر ایسا مدعی بھی جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت نبوت کا اعلان کیا تو شاکی ہوا اور اس نے اپنی حق تلفی سمجھی کہ خدمات تو میں نے کی ہیں اور نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل گئی۔ اباء کیا، استکبار دکھایا، مردود ہوا اور محروم رہ گیا۔

غرض اباء و استکبار ایک ایسی آگ ہے جو ایک دم میں سالہا سال کی محنت، ریاضت، زہد و تعبد

کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے اور عمروں کے اعمال کو حبط کر کے خالی ہاتھ کر دیتی ہے۔

محض گناہ یا مخفی نافرمانی تو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف بھی منسوب ہوئی ہے۔ کیونکہ نافرمانی کہتے ہیں حکم کے نہ ماننے کو۔ سو وہ تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوئی ہے اور ابلیس کی طرف بھی نافرمانی منسوب ہوتی۔ مگر فرق کیا ہے؟ جس سے حضرت آدم علیہ السلام تو باوجود نافرمانی کے مقرب اور محبوب رہے اور ابلیس ہمیشہ ہمیش کے لئے مردود اور متروک ہو گیا۔ فرق صرف یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نافرمانی سرزد ہوئی مگر نسیان سے، عمداً نہیں، اباء سے نہیں، استکبار سے نہیں۔ اور ابلیس سے نافرمانی ہوئی اباء سے اور استکبار سے۔

ایک مسلمان اگر نماز نہیں پڑھتا مگر اندر ہی اندر نادم ہوتا ہے اور نماز کا انکار تو نہیں کرتا بلکہ اپنی سستی اور غفلت کا اقبال کرتا ہے۔ اور کسی کے پوچھنے پر شرمندگی سے سر نیچا کر لیتا ہے گردن ڈال دیتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے تو وہ مومن ہے اور مسلمان ہے لیکن اگر اباء کرتا استکبار دکھاتا اور اپنے گناہ پر مُصر ہے اور اسے مستحسن سمجھتا ہے تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ محض گناہ انسان کو ایمان سے خارج نہیں کرتا خواہ انسان اعمال ظاہری میں سست ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بظاہر پابند شریعت ہو کر اباء و استکبار کرنے والا کبھی بھی مومن نہیں رہ سکتا۔ یہ ایک نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں۔ اکثر سوال ہوتا ہے کہ فلاں شخص تو بڑا نیک پارسا تھا۔ عابد تھا۔ زاہد تھا۔ خادم دین تھا۔ تبلیغ میں حصہ وافر لیتا تھا، وہ کیسے مرتد ہو گیا۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ ایسے بڑے کہلانے والے۔ ایسے قربانیاں کرنے والے لوگ، لوگوں کے نفسوں کا تو محاسبہ کرتے ہیں۔ مگر اپنے نفس کے محاسبہ کا انہیں کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ وہ عبادت کرتے ہیں مگر اس لئے کہ عبادت کرتے کرتے ان کے اندر ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ زہد کرتے ہیں مگر اسی ذوق کی بناء پر۔ ان کے قلب کا انجن ٹھیک نہیں ہوتا۔ ان کے دل میں وہ ایمان اور وہ روح پیدا نہیں ہوتی ہوتی جو حقیقت رس ہو۔ اس کی مثال بعینہ کلاک کے پنڈولم (PENDOLUM) کی ہے جو موازنہ سے حرکت کرتا ہے۔ ذرا سی روک آئی اور ختم گیا۔ اس روک کے مقابلہ کرنے والی قوت ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوئی ہوتی۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں بھی شاذ ہیں جو اس نکتہ کو سمجھے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ اگر وہ ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کی صفائی پر بھی زور دیتے۔ اور ان کے اندر یہ روح پیدا ہو جاتی کہ جب جب کوئی حکم اللہ تعالےٰ کی طرف سے، اس کے رسولوں کی طرف سے یا اُن کے نوّاب و خلفاء کی طرف سے آتا، وہ اس کے قبول کرنے اور بسر و چشم ماننے

کو تیار ہو جاتے۔ اگر اس نکتہ کو لوگ سمجھ لیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو بہت جلد ایک ایسی مضبوط جماعت تیار ہو سکتی ہے جو بجائے ذرا ذرا سی بات پر اڑ بیٹھنے اور معمولی باتوں کو ہتک سمجھکر الگ ہو جانے کے ایسی مضبوط ہو کہ اگر اسے آروں سے بھی چیر دیا جائے تو بھی اس کے اندر کمزوری نہ پیدا ہو اور اسے ابتلا نہ آوے۔ بلکہ وہ بڑے بڑے ابتلاؤں کو بھی ابتلاء قرار دینے سے پرہیز کرے اور پوری صادق اور صابر اور فرمانبردار ہو۔

اللہ تعالے ہماری جماعت کو اس کے سمجھنے کی توفیق دے اور اِباء و استکبار کا مادہ جو ابتداء سے دنیا میں چلا آیا ہے اس سے بچائے اور جس فرمانبرداری اور قربانی کی بناء حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے رکھی تھی اور جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درجہ تکمیل تک پہنچایا تھا، اس پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین ۔"

(الفضل ۲ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۵ تا ۹)

۱؎ ۔ تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ تا صفحہ ۲۶۹ ۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام مصنفہ علامہ عباس محمود العقاد المصری ترجمہ مولانا راغب رحمانی صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۶

۲؎ ۔ پیدائش باب ۲۲ آیت ۲

۳؎ ۔ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۳

۴؎ ۔ پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۲-۳

۵؎ ۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذا تحولت الصدقۃ۔

۶؎ ۔ صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب عن اکل لحوم الاضاحی ۔ سُنَنِ کبریٰ الجزء الخامس صفحہ ۲۳۰ سُنن الدارمی الجزء الاوّل صفحہ ۲۹۶

۷؎ ۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی

۸؎ ۔ ابراھیم ۱۴ : ۳۸

۹؎ ۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی

۱۰؎ ۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۱؎ ۔ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲

۱۲؎ ۔ شعب ابی طالب کی طرف اشارہ ہے جو ایک پہاڑی درّہ تھا۔ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین اڑھائی تین سال تک محصور رہے۔ (طبقات ابن سعد الجزء الاوّل صفحہ ۱۴۰

تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۹ مطبوعہ بیروت

۱۳ ۔ غالباً سہو کتابت ہے۔ اصل مدت اڑھائی تین سال ہے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۵۹)

۱۴ ۔ زرقانی شرح المواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۰

۱۵ ۔ Commentary on The old Testament, New York. 1893.
(زیر پیدائش باب ۱۶ ۔ آیت ۱۲)

۱۶ ۔ تاریخ الخمیس جز اوّل صفحہ ۵۸

۱۷ ۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (۱۸۳۲ء ۔ ۱۹۲۰ء) اہلحدیث کے مشہور عالم اشاعۃ السنہ کے مدیر اور احمدیت کے اشد ترین مخالف تھے۔

۱۸ ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری (۱۸۶۸ء ۔ ۱۹۴۸ء) مشہور معاند احمدیت امیر اہلحدیث۔

۱۹ ۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل

۲۰ ۔ طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۶

۲۱ ۔ البقرہ ۲ : ۳۵